

پاکستان قائم کرنے کا فیصلہ ہندوؤں کو بہت ناگوار گزرا۔ انہوں نے پوری کوشش کی کہ یہ مملکت قائم نہ ہونے پائے۔ ان کے پاس دولت اور طاقت تھی۔ جنوبی ایشیا میں ان کی اکثریت تھی لیکن چوں کہ قیامِ پاکستان کا مطالبہ حق اور انصاف پر تھا، اس لیے حکومتِ برطانیہ کو مجبور ہونا پڑا اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی پر خلوص قیادت، مسلمانوں کے یقین، اتحاد اور عمل پہم کی وجہ سے ۱۴ اگست سنہ ۱۹۴۷ء کو پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

پاکستان نے اپنے قیام سے اب تک بڑی ترقی کی ہے اور اس کا شمار دنیا کے اہم ملکوں میں ہوتا ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ پاکستان اور زیادہ ترقی کرے اور ہمیشہ ترقی کرے تو ہمیں نظریہِ پاکستان کو ہر وقت پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اس کی بدولت ہم پاکستان کو زیادہ مُتَّکَّم اور شاندار بناسکتے ہیں۔

نظریہِ پاکستان کا مقصد پاکستان کو ایک اسلامی اور فلاحتی مملکت بنانا ہے۔ ہمیں ایسا کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہیے جس کی وجہ سے خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑے۔ ہمارا جینا اور مرننا پاکستان کے لیے ہونا چاہیے۔ قوی مفاد کے سامنے ذاتی مفاد کو دل سے نکال دینا چاہیے۔ ہر قسم کی گروہ ہندی سے بالاتر ہو کر تمام پاکستانیوں کی فلاخ و بہبود کی کوشش کرنا نظریہِ پاکستان کو فروغ دینا ہے۔ اگر ہم نے نظریہِ پاکستان کو پیش نظر رکھا اور اپنی سیرت اور کردار کو اس کے مطابق ڈھانلنے کی کوشش کی تو دنیا کی دوسری قوموں میں بھی ہمیں امتیاز حاصل ہوگا اور ہم اسلامی اصولوں کی روشنی میں پاکستان کو توانا، مُتَّکَّم، شاندار اور پُر عظمت بنانے میں پوری طرح کامیاب ہوں گے۔

مشق



- سوال: ۱:** درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:
- اف) نظریہِ پاکستان کا مفہوم مختصر آبیان کیجیے۔
 - ب) شاہ ولی اللہ کی تحریک کا مقصد کیا تھا؟
 - ج) سرسیداً حمد خان کا ہندو اور مسلمان قوموں کے بارے میں کیا نظر یہ تھا؟
 - د) کانگریس کا اصل مقصد کیا تھا اور مسلم ایگ کا قیام کیوں عمل میں آیا؟
 - ه) دنیا میں قومیت کی تشکیل کے دو بنیادی نظریے کوں کوں سے ہیں؟
- سوال: ۲:** ”نظریہِ پاکستان“ کے سبق کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔
- سوال: ۳:** اپنے دوست کو ایک خط لکھیے جس میں بتائیے کہ ہمیں نظریہِ پاکستان کے تحفظ کے لیے کیا کرنا چاہیے؟
- سوال: ۴:** درج ذیل ڈوست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے۔
- اف) اسلام کی سر بلندی کے لیے کھڑے ہوئے:
- (۱) ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان
 - (۲) حضرت مجدد الف ثانی
 - (۳) مولانا شوکت علی
 - (۴) مولانا محمد علی جوہر
- ب) ہندوؤں نے اردو زبان کے مقابلے میں قائم کی:
- (۱) انگریزی زبان
 - (۲) فارسی زبان
 - (۳) سنسکرت زبان
 - (۴) ہندی زبان

(ج) پہلی گنگ عظیم چھرگئی:

- (۱) ۱۹۱۰ء
- (۲) ۱۹۱۱ء
- (۳) ۱۹۱۲ء
- (۴) ۱۹۱۳ء

(د) نظریہ پاکستان کا مقصد ہے:

- (۱) اسلامی اصولوں کی ترویج کرنا
- (۲) سیاست کرنا
- (۳) اسلامی و فلاحی مملکت بنانا
- (۴) اسلامی اصولوں کا یاد کرنا

(ه) ہمارا جینا مرنا ہونا چاہیے:

- (۱) اپنے لیے
- (۲) دوستوں کے لیے
- (۳) پڑوسیوں کے لیے
- (۴) پاکستان کے لیے

درج ذیل مثالوں پر غور کیجیے:

- ۱ تم ”اچھے بھلے“، پڑھے لکھے آدمی ہو، کوئی ڈھنگ کا کام کرو۔
- ۲ وہ ”اچھا خاصا“، امیر آدمی ہے، پھر بھی اپنی غربتی کو روتا رہتا ہے۔
- ۳ دونوں بھائیوں میں بس ”انمیں بیں“، کافرق ہے۔
- ۴ ان فقروں میں واوین کے درمیان الفاظ روزمرہ کی مثالیں ہیں۔

سوال ۵: اب آپ ذیل کے فقروں کو روزمرہ کے مطابق درست کیجیے:

- ۱ لگتا ہے اب اس شہر سے ہمارا پانی دانہ اٹھ گیا ہے۔
- ۲ ارے بھائی! بہت دنوں بعد نظر آئے، کیا چال حال ہے۔
- ۳ بڑی دوستی تھی دنوں میں، لیکن آج کل کچھ بن آن ہے۔

سرگرمی



(۱) تحریک پاکستان کی اپنی پسندیدہ شخصیت پر سوال الفاظ کا مضمون اپنی کاپی میں لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- (۱) طلبہ کو مضمون ٹکاری کے بارے میں مفصل سمجھایئے۔
- (۲) روزمرہ کے لحاظ سے غلط فقرے درست کرنے کی مشتمل کاری کرائیے۔





ڈپٹی نذیر احمد

ولادت: ۱۸۳۱ء وفات: ۱۹۱۲ء

شمسُ العُلماء خان بہادر مولانا نذیر احمد ضلع بجور (ہندوستان) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں میں حاصل کی۔ بعد میں تعلیم کا شوق انھیں دلی لے آیا۔ یہاں مولوی عبدالائق کے حلقہ درس میں داخل ہوئے۔ دلی کالج سے ادب، عربی، فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم حاصل کی۔ انگریزی ذاتی محنت اور کوشش سے پڑھی۔ ملازمت کا آغاز ضلع گجرات (بنگاڑ) سے مددِ رس کی حیثیت سے کیا۔ بعد میں ترقی کر کے اسپیکٹر مدارس ہو گئے، پھر تحصیل دار اور بعد ازاں افسر بندوبست ہوئے۔ اس کے بعد ریاست حیدرآباد پلے گئے۔ ریٹائرڈ ہونے کے بعد دلی میں آ کر باقی زندگی تصنیف و تالیف میں بُسر کی۔ نذیر احمد کوارڈو کا پہلا ناول نگار کہا جاتا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد نے سات ناول لکھے جن میں ”مرأة العروس، قبة الصوح، ابن الوقت، بنات اللعش“ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اصغری نے لڑکیوں کا مکتب بھایا

حاصلات تعلم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) نئے الفاظ کو اپنے جملوں میں استعمال کر سکیں۔
 (۲) روزمرہ اور مجاہروں کا استعمال کر سکیں۔ (۳) مختلف اصنافِ ثمریں امتیاز کر سکیں۔

حکیم صاحب کے چھوٹے بھائی فتح اللہ خاں بہت مَدْتَ تک والی اعڈ و رکی سرکار میں مختارِ کل رہے اور ہزاروں روپے کی املاک شہر میں خرید کر لی تھی۔ بڑی شان سے رہتے تھے۔ ڈیوڑھی پر سپاہیوں کا گارڈ، اندر باہر تیس چالیس آدمی نوکر، گھوڑا، ہاتھی، پاکی، بُلھی سواری کو موجود۔

فتح اللہ خاں کی دو بیٹیاں تھیں، جمال آرا اور حُسن آرا۔ جمال آرا نواب اس فندیار خان کے بیٹی سے بیاہی گئی تھیں۔ حُسن آرا کی نسبت نواب جھگر کے خاندان میں ہوئی۔ ان لڑکیوں کی خالہ شاہ زمانی بیگم اسی محلے میں رہتی تھیں جس میں اصغری کا میکا تھا۔ اس محلے میں تو اصغری کی لیاقت کا شور تھا۔ شاہ زمانی بیگم بھی اصغری کے حال سے خوب واقف تھیں۔ شاہ زمانی بیگم اپنی چھوٹی بہن (حُسن آرا کی ماں) سے ملنے کے لیے آئیں۔ دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر نے سے خالی نہیں اگر ہر طرف سے خوشی ہی خوشی ہو تو انسان خُدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے۔ شاہ زمانی کی چھوٹی بہن سلطانہ کو دنیا کے سب عیش میسر تھے، لیکن لڑکیوں کی طرف سے رنجیدہ خاطر رہا کرتی تھیں۔ حُسن آرا کے مزاج کی افتادائی سی بُری پڑی تھی کہ اپنے گھر ہتھی میں سب سے



بگاڑھا۔ نہ ماں کا لحاظ، نہ آپا کا ادب، نہ باپ کا ڈر۔ نوکر ہیں کہ آپ نالاں ہیں۔
لومنڈیاں ہیں کہ الگ پناہ مانگتی ہیں۔ غرض حسن آراسارے گھر کو سر پر اٹھائے رہتی
تھی۔ شاہ زمانی بیگم کے آنے سے چاہیے تھا کہ بڑی خالہ سمجھ کر حسن آرا گھڑی
دو گھڑی کو چُپ ہو کر بیٹھ جاتی، کیا ذکر! شاہ زمانی بیگم کو پاکی سے اترے دیرنہ ہوئی تھی
کہ لگا تار دو تین فریادیں آئیں کہ بیگم صاحب دیکھیے چھوٹی صاحب زادی نے میری
نئی اوڑھنی لیر لیر کر ڈالی۔ اب مجھے کون بنا کر دے گا؟ گلاب بلبلا اٹھی کہ ہائے! میرا
کان خونا خون ہو گیا۔ باور پھی خانے سے مامانے دہائی دی، اچھی، خدا کے لیے کوئی
ان کو سمجھاتا۔ سالن کی پیتلیوں میں مٹھیاں بھر بھر کر راکھ جھونک رہی ہیں۔

شاہ زمانی بیگم نے آواز دی ”حسنا! یہاں آؤ۔“

خالہ کی آواز پہچان، بارے حسن آرا چلی تو آئی لیکن نہ سلام نہ دعا۔ ہاتھوں میں
راکھ، پاؤں میں کچھڑ۔ اسی حالت میں دوڑ، خالہ سے لپٹ گئی۔ خالہ نے کہا ”حسنا تم
بہت شوئی کرنے لگی ہو۔“

حسن آرائے کہا ”اس سُنبُل چُڑیل نے فریاد کی ہوگی۔“ یہ کہہ کر خالہ کی گود سے
نکل، لپک کر سُنبُل کا سر کھسوٹ لیا۔ بہتیر اخالہ ”ایں ایں“ کرتی رہیں، ایک نہ نہیں۔
شاہ زمانی بیگم اپنی بہن کی طرف خاطب ہو کر بولیں: ”بوسلطانہ، اس لڑکی کے
لیے تو خدا کے واسطے کوئی استانی رکھو۔“

سلطانہ بیگم ”باجی اماں کیا کروں مہینوں سے استانی کی تلاش میں ہوں کہیں نہ ملتی“،
شاہ زمانی بیگم: ”اوی بُوا۔ تمھاری بھی کہاوت وہی ہے، ”ڈھنڈو را شہر میں، بچہ
بغل میں“۔ خود تمھارے محلے میں مولوی محمد فاضل کی چھوٹی بہنو لاکھ استانیوں کی ایک
استانی ہے۔

سلطانہ: مجھ کو آج تک اطلاع نہیں۔ دیکھو، میں آدمی بھیجنی ہوں۔

یہ کہہ کر اپنے گھر کی داروغہ کو بلایا کہ مانی جی کوئی مولوی صاحب اس محلے میں رہتے ہیں، باجی اماں کہتی ہیں، ان کی چھوٹی بہو بہت پڑھی لکھی ہیں۔ دیکھو اگر استانی گیری کی نوکری کریں تو ان کو بلااؤ۔

مانی جی مولوی صاحب کے گھر آئیں۔ محمد کامل کی ماں سے صاحب سلامت ہوتی۔

مانی جی: تمہاری چھوٹی بہو کہاں ہیں؟

محمد کامل کی ماں: کوٹھے پڑیں۔

مانی جی: میں ان کے پاس اوپر جاؤں گی۔

دیانت النساء: بہو صاحب یہیں آجائیں گی۔

تمیزدار بہو کے نیچے اترنے کا وقت آگیا تھا، کیوں کہ عضر کی نماز پڑھ کر اصغری نیچے اتر آتی تھی اور مغرب اور عشاء دونوں نمازیں پڑھا کرتی تھی۔ اصغری کو مانی جی نے دیکھا تو باتوں میں اتنا کہا کہ بیگم صاحب کو اپنی چھوٹی بڑی کا تعلیم کرانا منظور ہے۔ بڑی بیگم صاحب نے آپ کا ذکر کیا تو بیگم صاحب نے مجھ کو بھیجا۔

اصغری: دونوں بیگم صاحبوں کو میری طرف سے بہت سلام کہنا۔ میرا جی بہت چاہتا ہے کہ بیگم صاحب کی بڑی کو پڑھاؤ۔ لیکن کیا کروں، نہ تو بیگم صاحب بڑی کو یہاں بھیجنیں گی اور نہ ان کے گھر میرا جانا ہو سکتا ہے۔

مانی جی نے تنخواہ کا تونام نہ لیا لیکن دبی زبان سے اتنا کہا کہ بیگم صاحب ہر طرح سے خرچ پات کی ذمے داری کرنے کو موجود ہیں۔

اصغری: یہ سب ان کی مہربانی ہے ان کی ریاست کو بھی بات زیبا ہے لیکن ان کے زیر سایہ ہم غریب بھی پڑے ہیں تو خدا نگاہ بھوگا نہیں رکھتا۔ بن داموں کے لوٹی بن کر خدمت کرنے کو تو میں حاضر ہوں اور اگر تنخواہ دار استانی درکار ہو تو شہر میں بہت ملیں گی۔ اصغری کی گفتگو سن کر مانی جو ہو گئی۔ ہر چند کہ نوابی کارخانے دیکھے ہوئے تھے مگر اصغری کی سُستہ تقریں کر دنگ ہو گئی اور معدرت کی کہ بی مجھ کو معاف کرنا۔

غرض مانی جی رخصت ہوئیں اور وہاں جا کر کہا: ”بیگم صاحب، استانی تو واقعی میں لاکھ استانیوں کی ایک استانی ہے، جس کی صورت دیکھنے سے آدمی بن جائے۔ پاس بیٹھنے سے انسانیت سیکھے۔ سایہ پڑ جانے سے سلیقہ سیکھے۔ ہوا لگ جانے سے ادب پکڑے۔ لیکن نوکری کرنے والی نہیں۔ تحصیل دار کی بیٹی ہے۔ رئیسِ لاہور کے متار کی بہو۔ گھر میں مانو کر ہے۔ دالان میں چاندنی بیچھی ہے۔ سوزنی گاؤں تکمیل گا ہے۔ اچھی خوش گز ران زندگی بھلا اُن کو نوکری کی کیا پرواہ ہے۔

شاہ زمانی بولیں: ”صح ہے بُوا سلطانہ، تم نے مانی جی کو بھیجا تو تھا لیکن مجھ کو یقین نہ تھا کہ وہ نوکری کریں گی۔“

مانی جی: لیکن وہ تو ایسی آدمی ہیں کہ مفت پڑھانے کو خوشنی سے راضی ہیں۔ سلطانہ نے پوچھا: ”کیا یہاں آ کر؟“

مانی جی: بھلا بیگم صاحب، جو نوکری کی پروانہیں کرتا، وہ یہاں کیوں آنے لگا؟ سلطانہ: کیا پھر بڑی کی وہاں جایا کرے گی؟

شاہ زمانی: اس میں قباحت کی کیا بات ہے؟

سلطانہ: خیر حُسن آ را وہیں چلی جایا کرے گی۔

اگلے دن شاہ زمانی بیگم اور سلطانہ بیگم دونوں بہنیں حسن آرا کو لے کر اصغری کے گھر آئیں۔ دونوں بہنوں نے اصغری سے کہا کہ مہربانی کر کے اس کو دل سے پڑھا دیجیے۔

اصغری: اول تو خود مجھ کو کیا آتا ہے، مگر جو چار حرف بزرگوں کی عنایت سے آتے ہیں، ان شاء اللہ ان کے بتانے میں اپنے مقدور بھروسہ کروں گی۔

چلتے ہوئے سلطانہ بیگم اصغری کو اشرفتی دیے لیں۔

اصغری: اس کی کچھ ضرورت نہیں۔ بھلا یہ کیوں کر ہو سکتا ہے کہ میں پڑھوائی آپ سے لوں۔

سلطانہ: استغفیر اللہ! پڑھوائی دینے کا ہمارا کیا منحہ ہے۔ بسم اللہ کی مٹھائی ہے۔

اصغری: ہاں! شروع میں تبرگ کے طور پر مٹھائی بانٹ دیا کرتے ہیں۔ سواشرفتی کیا ہوگی بچوں کا منھ میٹھا کرنے کو سیر آدھ سیر مٹھائی کافی ہے۔

یہ کہہ کر دیانت کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ایک قاب بھر کر گنتیاں لائی۔ اصغری نے خود فاتحہ پڑھ کر پہلے حسن آرا کو دی اور بھری قاب دیانت کو دی کہ سب بچوں کو بانٹ دو۔

غرض دنیاسازی کی باتیں ہو ہوا کر شاہ زمانی بیگم چلی گئیں اور حسن آرا کو اصغری کے حوالے کر گئیں۔

(ماخوذ از: مرآۃ العروس)

مشق



سوال: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

- (الف) فتح اللہ خاں کی کتنی بیٹیاں تھیں؟ ان کے نام بتائیے۔
- (ب) سلطانہ کے نجیدہ رہنے کی اصل وجہ کیا تھی؟
- (ج) حسن آرا مزان کے عاظت سے کیسی تھی؟
- (د) شاہ زمانی بیگم نے حسن آرا کی تعلیم کے بارے میں چھوٹی بہن کو کیا مشورہ دیا؟
- (ه) اصغری نے حسن آرا کو پڑھانے کے لیے کہاں بلایا؟

سوال:۲: درج ذیل میں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) فتح اللہ خاں نے اندھوں میں املاک خریدی:

- (۱) سیکڑوں روپے کی (۲) ہزاروں روپے کی
- (۳) لاکھوں روپے کی (۴) اربوں روپے کی

(ب) شاہ زمانی بیگم اُتریں:

- (۱) پاکی سے (۲) رکشے سے
- (۳) بیکھی سے (۴) گھوڑے سے

(ج) محمد فاضل کی چھوٹی بہن تھی:

- (۱) کام چور (۲) کم عقل
- (۳) عمر سیدہ (۴) پڑھی لکھی

(د) سلطانہ بیگم چلتے ہوئے اصغری بیگم کو دینے لگی:

- (۱) اشرفتی (۲) بریانی (۳) کپڑے (۴) مٹھائی

(ه) دیانت قاب میں بھر لائی:

- (۱) نکتیاں (۲) اشرفیاں (۳) کھمر (۴) روٹیاں



سوال ۳: درج ذیل کالم ”الف“، ”کوکام“ ب“ سے ملائیے:

الف	ب
۱) جمال آرا اور حسن آرا کا باپ	اصغری
۲) سلطانہ کی بہن	دینات النساء
۳) محمد کامل کی بیوی	حکیم روح اللہ خاں
۴) اصغری کی ملازمہ	فتح اللہ خاں
۵) شاہزادی بیگم	فتح اللہ خاں کے بڑے بھائی

سوال ۴: درج ذیل کی تشریح اپنے الفاظ میں لکھیے:

(الف) ”دنیا کا دستور ہے کہ کوئی فرد بشر نج سے خالی نہیں۔ اگر ہر طرف خوشی ہی خوشی ہوتا تو انسان خدا کو بھول کر بھی یاد نہ کرے۔“

(ب) ”ڈھنڈ و را شہر میں پچ بغل میں“

سوال ۵: درج ذیل الفاظ اور مجاہروں کو اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:
لُّهُوْنَا - دریغ نہ کرنا - شُكْرَة - نالاں - قباحت

سرگرمیاں

(۱) طلبہ کمرہ جماعت میں یہ سبق ڈرامائی انداز میں پیش کریں۔

(۲) طلبہ ”اچھی عادات“ کا چارٹ بنا کر کمرہ جماعت میں آؤزیں کریں۔

* ناول سادہ زبان میں ایسی کہانی کو کہتے ہیں جس میں انسانی زندگی کے معمولی اور روزانہ پیش آنے والے واقعات کو دلچسپ انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ پلاٹ، منظر زگاری، کردار زگاری، مکالمہ زگاری اس کے بنیادی عنصر ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

(۱) طلبہ کو ناول زگاری کے بنیادی فنی نکات سے آگاہ کیجیے۔

(۲) اپنی نگرانی میں اس سبق کا ڈراماتیار کرائیے۔

(۳) ناول کے بارے میں دی گئی تعریف کی وضاحت کیجیے۔



مُنْشِيٰ پِرِيمِ چند

ولادت: ۱۸۸۰ء وفات: ۱۹۳۶ء

آپ کا اصل نام دھنپت رائے تھا۔ ضلع بخارس کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ والد مُنشی عجائب لال ڈاک خانے میں کلرک تھے۔ پریم چند نے ایک مولوی صاحب سے فارسی اور اردو کی تعلیم حاصل کی۔ جب کہ انگریزی تعلیم بخارس میں حاصل کی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر ایک پر انگریز اسکول میں استاد ہو گئے۔ ۱۹۰۸ء میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس ہو گئے۔ پریم چند کی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۰۱ء سے ہوا۔ آپ نے مُنشی دیاز انگم کے رسائل ”زمانہ“ میں مضامین لکھے۔ پھر افسانہ زگاری اور ناول زگاری کی طرف توجہ دی۔ پریم چند نے غریبوں کے حالات و واقعات کو اپنے افسانوں اور ناولوں کا موضوع بنایا۔ پریم چند کا شمار اردو کے اوپرین افسانہ زگاروں میں ہوتا ہے۔ ”سوڑ وطن، واردات، بیوہ، زادِ راہ، نر ملا، میدانِ عمل، گئو دان، پریم بنتی، پریم پچیسی، پریم چالیسی اور چوگانِ ہستی“ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔ انہوں نے کل ۲۹ ناول لکھے۔



بُوڑھی کا کی

حاصلاتِ تعلم: سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مرکب ناقص اور مرکب تام میں فرق کر سکیں۔
 (۲) مباحثوں اور نماکروں میں موضوع کے حق یا مخالفت میں حصہ لے سکیں۔ (۳) کسی نظرپارے کی
 فکری و فیض خوبیوں کو پیش نظر کر خلاصہ لکھ سکیں۔ (۴) اپنی گفتگو میں احساس، جذبے اور تاثر کے حوالے سے
 شدت اور زیر و بم کا لحاظ کر سکیں۔

ڈرتی تھی، اس لیے بُوڑھی کا کی پر اس کی تیزی اتنی نہ کھلتی تھی جتنی بدھرام کی نیکی۔
 بدھرام کو کبھی کبھی اپنی بے انصافی کا احساس ہوتا۔ وہ سوچتے کہ اس جاندار کی
 بے دولت میں اس وقت بھلا آدمی بنا بیٹھا ہوں اور اگر زبانی تسلیم یا تشقی سے
 صورت حال میں کچھ اصلاح ہو سکتی تو انھیں مطلق درفع نہ ہوتا، لیکن مزید خرچ کا خوف
 ان کی نیکی کو دبائے رکھتا تھا۔

سارے گھر میں اگر کسی کو کا کی سے محبت تھی تو وہ بدھرام کی چھوٹی لڑکی لاڈلی
 تھی۔ لاڈلی اپنے دونوں بھائیوں کے خوف سے اپنے ہٹے کی مٹھائی بُوڑھی کا کی کے
 پاس بیٹھ کر کھایا کرتی تھی۔

رات کا وقت تھا۔ بدھرام کے دروازے پر شہنائی نج رہی تھی اور گاؤں کے
 بچوں کا جنم غیر نگاہِ حیرت سے گانے کی داد دے رہا تھا۔ چار پائیوں پر مہمان لیئے
 ہوئے نائیوں سے ٹکیاں لگوار ہے تھے۔ بدھرام کے لڑکے سکھرام کا تیک آیا ہے۔
 یہ اُسی کا جشن ہے۔ گھر میں مستورات گارہی تھیں اور رُوپا مہمانوں کی دعوت کا سامان
 کرنے میں مصروف تھی۔

بُوڑھی کا کی اپنی اندر ہیری کو ہیری میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ یہ لذت آمیز خوش بو
 انھیں بے تاب کر رہی تھی۔ وہ دل میں سوچتی تھیں شاید مجھے پوریاں نہ ملیں گی۔ اتنی دیر
 ہو گئی کوئی کھانا لے کر نہیں آیا۔

بُوڑھی کا کی کے چشم خیال میں پوریوں کی تصویر ناچنے لگی۔ خوب لال لال
 پھولی پھولی نرم نرم ہوں گی۔ کچوریوں میں آجوائیں اور الاچھی کی مہک آ رہی ہو گی۔
 ایک پوری ملتی تو ذرا ہاتھ میں لے کر دیکھتی۔ کیوں نہ چل کر کڑاہ کے سامنے ہی

بیٹھوں۔ پوریاں پچھن پچھن کڑاہ میں تیرتی ہوں گی۔ کڑاہ سے گرما گرم نکل کر کٹھوتی میں رکھی جاتی ہوں گی۔

اس طرح فیصلہ کر کے بوڑھی کا کی اُکڑوں بیٹھ کر، ہاتھوں کے بُل کھسکتی ہوئی بہ مشکل تمام چوکھٹ سے اُتریں اور دھیرے دھیرے رینگتی ہوئی کڑاہ کے پاس جا بیٹھیں۔ رُوپا اس وقت ایک سراسیمگی کی حالت میں تھی۔ اس کمرے میں جاتی، کبھی اُس کمرے میں۔ کبھی کڑاہ کے پاس کبھی کوٹھے پر۔ کسی نے باہر سے آ کر کہا: ”مہاراج ٹھنڈائی مانگ رہے ہیں۔“ ٹھنڈائی دینے لگی۔ اتنے میں پھر کسی نے کہا: ”بھاٹ آیا ہے، اسے کچھ دے دو۔“ بھاٹ کے لیے سدھا نکال رہی تھی کہ ایک تیسرے آدمی نے آ کر پوچھا کہ ابھی کھانا تیار ہونے میں کتنی دیر ہے؟

ذرادھوں مجرا اُتار دو۔ بے چاری اکیلی عورت چاروں طرف دوڑتے دوڑتے حیران ہو رہی تھی۔ جھنچھلاتی تھی، گڑھتی تھی، پرغصہ باہر نکلنے کا موقع نہ پاتا تھا۔ خوف ہوتا تھا کہ کہیں پڑوسنیں یہ نہ کہنے لگیں کہ اتنے ہی میں اُبل پڑیں۔ پیاس سے خود اس کا حل سوکھا جاتا تھا۔ گرمی کے مارے پھنکنی جاتی تھی لیکن اتنی فرصت کہاں کہ ذرا پانی پی لے یا پنکھا لے کر جھلے۔ یہ بھی اندیشہ تھا کہ ذرا نگاہ پلی اور چیزوں کی لُوٹ مچی۔ اس کش مکش کے عالم میں اس نے بوڑھی کا کی کوکڑاہ کے پاس بیٹھے دیکھا تو جل گئی۔ غصہ نہ رُک سکا، یہ خیال نہ رہا کہ پڑوسنیں بیٹھی ہوئی ہیں، دل میں کیا کہیں گی۔ مردانے میں لوگ سُنیں گے تو کیا کہیں گے۔ جیسے مینڈک کچپوے پر جھپٹتا ہے اسی طرح وہ بوڑھی کا کی پر جھپٹی اور انھیں دونوں ہاتھوں سے جھنچھوڑ کر بولی: ”ایسے پیٹ میں آگ لے گے، پسیٹ ہے کہ آگ کا گنڈہ ہے۔ کوٹھری میں بیٹھے کیا دم گھٹتا تھا۔ ابھی

مہمانوں نے نہیں کھایا۔ تب تک صبر نہ ہو سکا۔ آ کر چھاتی پر سوار ہو گئیں۔ گاؤں دیکھے گا تو کہے گا کہ بڑھیا، بھر پیٹ کھانے کو نہیں پاتی، تب ہی تو اس طرح بولھلاۓ پھرتی ہے۔ اس خیال سے اس کا غصہ اور بھی تیز ہو گیا۔ ”نام بیچنے پر لگی ہے، ناک کٹوا کے دم لے گی۔ اتنا ٹھوںستی ہے، نہ جانے کہاں بھکسم ہو جاتا ہے۔ بھلا چاہتی ہو تو جا کر کوٹھری میں بیٹھو۔ جب گھر کے لوگ لگیں گے تو تمھیں بھی ملے گا۔“

بوڑھی کا کی نے سر نہ اٹھایا۔ نہ روئیں نہ بولیں، چپ چاپ رینگتی ہوئی وہاں سے اپنے کمرے میں چالی گئیں۔

لاڈلی کو کا کی سے بہت اُنس تھا۔ بھولی بھالی، سیدھی لڑکی تھی۔ طفلانہ شوخی اور مسُرّت کی اس میں بُوتک نہ تھی۔ وہ جھنجلا رہی تھی کہ یہ لوگ کا کی کو کیوں بہت ساری پوریاں نہیں دے دیتے۔ مہمان سب کی سب تھوڑے ہی کھا جائیں گے اور اگر کا کی نے مہمانوں سے پہلے ہی کھالیا تو کیا بگڑ جائے گا؟ وہ کا کی کے پاس جا کر انھیں تشقی دیتیا چاہتی تھی، لیکن ماں کے خوف سے نہ جاتی تھی۔ اس نے اپنے حصے کی پوریاں مُطلق نہ کھائیں۔ اپنی گڑیوں کی پتاری میں بند کر رکھی تھیں۔ وہ یہ پوریاں کا کی کے پاس لے جانا چاہتی تھی۔ اس کا دل بے قرار ہو رہا تھا۔ بوڑھی کا کی میری آواز سنتے ہی اٹھ بیٹھیں گی۔ پوریاں دیکھ کر کیسی خوش ہوں گی۔ مجھے خوب پیار کریں گی۔

رات کے گیارہ نجح چکے تھے۔ رُوپا آنگن میں سورہی تھی۔ لاڈلی کی آنکھوں میں نیند نہ آتی تھی۔ کا کی کو پوریاں کھلانے کی خوشی اسے سونے نہ دیتی تھی۔ اس نے گڑیوں کی پتاری سامنے ہی رکھی۔ جب اسے یقین ہو گیا کہ اماں غافل سورہی ہیں تو وہ چپکے سے اٹھی اور سوچنے لگی کہ کیسے چلوں۔ چاروں طرف اندھیرا تھا۔ صرف

چوھلوں میں آگ چمک رہی تھی۔ لاڈلی کی نگاہ دروازے والے نیم کے درخت کی طرف گئی۔ مارے خوف کے اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں کتا اٹھ بیٹھا۔ لاڈلی کوڈھارس ہوئی۔ کئی سوتے ہوئے آدمیوں کی نسبت ایک جا گتا ہوا کتنا اس کے لیے زیادہ تقویت کا باعث ہوا۔ اُس نے پتاری اٹھائی اور بوڑھی کا کی کوڑھری کی طرف چلی۔

”کاکی اٹھو میں پوریاں لائی ہوں۔“ کاکی نے لاڈلی کی آواز پہچانی۔ چٹ پٹ اٹھ بیٹھیں۔ دونوں ہاتھوں سے لاڈلی کو ٹوٹلا اور اسے گود میں بھالیا۔ لاڈلی نے پوریاں نکال کر دیں۔ کاکی نے پوچھا: ”کیا تمہاری امماں نے دی ہیں؟“ کاکی پوریوں پر ٹوٹ پڑیں۔ پانچ منٹ میں پتاری خالی ہو گئی۔ لاڈلی نے پوچھا: ”کاکی پیٹ بھر گیا؟“ جیسے تھوڑی سی بارش ٹھنڈک کی جگہ اور بھی جس پیدا کر دیتی ہے، اسی طرح ان چند پوریوں نے کاکی کی اشتها اور رغبت کو اور بھی تیز کر دیا تھا۔ بولیں: ”نہیں! بیٹی جا کے امماں سے اور مانگ لا وے۔“

کاکی نے پتاری کو پھر ٹوٹلا۔ اس میں چند ریزے گرے تھے، انھیں نکال کر کھا گئیں۔ یکاںکی لاڈلی سے بولیں: ”میرا ہاتھ پکڑ کر دہاں لے چلو جہاں مہمانوں نے بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔“

لاڈلی ان کا منشاء سمجھ سکی۔ اس نے کاکی کا ہاتھ پکڑا اور انھیں لا کر جھوٹے پتالوں کے پاس بٹھا دیا اور غریب بھوک کی ماری فائز اعقل بڑھیا پتالوں سے پوریوں کے ٹکڑے چون چون کر کھانے لگی۔

عین اسی وقت روپا کی آنکھ کھلی۔ اسے معلوم ہوا کہ لاڈلی میرے پاس نہیں ہے۔ چونکی، چارپائی کے ادھر ادھر تاکنے لگی کہ کہیں لڑکی نیچے تو نہیں گر پڑی۔ اُسے وہاں نہ پا کروہ اٹھ بیٹھی، تو کیا دیکھتی ہے کہ لاڈلی جھوٹے پتالوں کے پاس چپ چاپ کھڑی ہے اور بوڑھی کا کی پتالوں پر سے پوریوں کے ٹکڑے اٹھا اٹھا کر کھا رہی ہے۔ روپا کا کلیجاسُن سا ہو گیا۔

روپا کو اپنی خود غرضی اور بے انصافی آج تک کبھی اتنی صفائی سے نظر نہ آئی تھی۔ ہائے! میں کتنی بے رحم ہوں۔ جس کی جاندار سے مجھے دوسروں پے سال کی آمنی ہو رہی ہے، اس کی یہ دُرگت، اور میرے کارن! مجھ سے بڑا بھاری گناہ ہوا ہے۔ آج میرے بیٹھے کا تلک تھا، سیکڑوں آدمیوں نے کھانا کھایا، میں ان کے اشارے کی غلام بنی ہوئی تھی، اپنے نام کے لیے، اپنی بڑائی کے لیے سیکڑوں روپے خرچ کر دیے، لیکن جس کی بدلت ہزاروں روپے کھائے، اسے اس تقریب کے دن بھی پیٹ بھر کر کھانا نہ دے سکی، محض اس لیے ناکہ وہ بڑھیا ہے، بے کس ہے، بے زبان ہے۔

اُس نے چراغ جلایا، اپنے بھنڈارے کا دروازہ کھولا اور ایک تھال میں کھانے کی سب چیزیں سجا کر لیے ہوئے بوڑھی کا کی کی طرف چلی۔ آدمی رات ہو چکی تھی، آسمان پر تاروں کے تھال سچے ہوئے تھے اور ان پر بیٹھے ہوئے فرشتے بہشتی نعمتیں سجارت ہے تھے، لیکن ان میں کسی کو وہ مَسِّرَت نہ حاصل ہو سکتی تھی جو بوڑھی کا کی کو اپنے سامنے تھال دیکھ کر ہوئی۔ روپا نے رِقت آمیز لمحے میں کہا:

”کاکی اٹھو! کھانا کھالو۔ مجھ سے آج بڑی بھول ہوئی۔ اس کا براہمنانہ، پرماتما سے دعا کرو کہ میری خط معاوضہ کر دے۔“

بھولے بھالے بچ کی طرح جو مٹھائیاں پا کر مار اور گھر کیاں سب بھول جاتا ہے، بوڑھی کا کی بیٹھی ہوئی کھانا کھا رہی تھیں، ان کے ایک ایک روئیں سے بچی دعائیں نکل رہی تھیں اور روپا بیٹھی یہ روحانی نظارہ دیکھ رہی تھی۔
(ماخوذ از: ”پریم چند کے منتخب افسانے“)



سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) بوڑھی کا کی نے اپنی ساری جائیداد بدھرام کے نام کیوں لکھ دی تھی؟

(ب) بدھرام نے جائیداد حاصل کرنے کے بعد بوڑھی کا کی سے کیا سلوک کیا؟

(ج) بدھرام کے گھر میں کس بات کا جشن منایا جا رہا تھا؟

(د) بوڑھی کا کی بھوک سے بے تاب ہو کر جب کڑاہ کے پاس پہنچی تو روپا نے اُن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

(ه) لاڈلی نے اپنی گڑیوں کی پتاری میں پوریاں کیوں چھپائی تھیں؟

(و) پوریوں کے نکلے چھوپن کر کھاتے دیکھ کر روپا کا کیا حال ہوا؟

(ز) روپا نے بوڑھی کا کی کو کھانے کا تحال دے کر کیا کہا؟

سوال ۲: اس افسانے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیے۔

سوال ۳: اس افسانے کی فکری اور فتنی خوبیاں بیان کیجیے۔

سوال ۴: درج ذیل الفاظ اور محاورات اپنے جملوں میں استعمال کیجیے:

جم غیر - اشتہا - ناکٹوانا - بھنڈارے - نام بچنا - سبز باغ دکھانا

سوال ۵: درج ذیل میں درست جواب پر (✓) کا نشان لگائیے:

(الف) بڑھا پا دو رثا نی ہوا کرتا ہے:

(۱) طفولت کا (۲) بچپن کا (۳) جوانی کا

(ب) بڑھیا کے جوان بیٹھے مر گئے تھے:

(۱) پانچ (۲) چھ (۳) سات (۴) آٹھ

(ج) بدھرام آدمی تھے:

(۱) چالاک (۲) مکار (۳) نیک (۴) بے قوف

(د) روپا سورہی تھی:

(۱) آنگن میں (۲) کمرے میں (۳) کوٹھری میں (۴) برآمدے میں

(ه) بدھرام کی چھوٹی لڑکی تھی:

(۱) من چلی (۲) لاڈلی (۳) ضدی (۴) چنپل

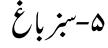
ان جملوں کو غور سے پڑھیے:



۱- اتنی دیر ہو گئی کوئی کھانا لے کر نہیں آیا ۲- لمبے چوڑے وعدے

۳- کیلی عورت ۴- بڑھا پا بچپن کا دو رثا نی ہوتا ہے

۵- سبز باغ



۶- اب پیٹ بھر و کھادانہ بھی مشکل سے ملتا ہے

اوپر دیے گئے جملوں میں کچھ جملے مکمل ہیں۔ ان میں بات بھی پوری ہو رہی ہے اور

مطلوب بھی پورے طور پر واضح ہو رہا ہے۔ لفظوں کے ایسے مجموعے کو جس میں لفظوں

کے درمیان تعلق اور لگاؤ پایا جائے، اسے مرکب تام کہتے ہیں۔ جملہ ۱، ۲ اور ۴ اور مرکب تام

کے جملے ہیں۔ اس کے برعکس جملہ ۳، ۲ اور ۵ میں بات پوری نہیں ہو رہی اور

مطلوب بھی پورے طور پر واضح نہیں ہو رہا۔ ایسے لفظوں کے مجموعے کو مرکب ناقص

کہتے ہیں۔

سوال ۶: آپ اس سبق میں سے مرگِ تام اور مرگِ ناقص کی تین تین مثالیں تلاش کر کے لکھئے۔

سوال ۷: درج ذیل پیرا، احساس، جذبے، تاثر اور زیر و بم کا خیال رکھتے ہوئے بلند آواز سے پڑھیں:
”زوپا کو اپنی خود غرضی اور بے انسانی آج تک کبھی اتنی صفائی سے نظر نہ آئی تھی۔ ہائے!
میں کتنی بے رحم ہوں۔ جس کی جائیداد سے مجھے دوسرو پے سال کی آمدی ہو رہی ہے، اس
کی یہ دورگت، اور میرے کارن، آج سیکڑوں آدمیوں نے کھانا کھایا، میں ان کے اشارے
کی غلام بنی ہوئی تھی، اپنے نام کے لیے، اپنی بڑائی کے لیے سیکڑوں روپے خرچ کر دیے،
لیکن جس کی بد دلت ہزاروں روپے کھائے، اسے اس تقریب کے دن بھی پیٹھ کر کھانا
نہ دے سکی، محض اس لیے ناکہ وہ بڑھایا ہے، بے کس ہے، بے زبان ہے۔“

سرگرمیاں

(۱) عیدِ قرباں اور ہماری ذمے داریوں کے موضوع پر طلبہ کلاس میں تین سے چار منٹ کی تقریب کریں۔

(۲) طلبہ بلا ڈلی کے کردار پر روشی ڈالیں۔

* افسانہ جس کو Short Story بھی کہا جاتا ہے، اس سے مراد نہ میں ایک مختصر سادہ قصہ ہے جس میں زندگی کے ایک پہلو کو بے نقاب کیا گیا ہو۔ اردو میں مختصر افسانہ انگریزی زبان و ادب کے ویلے سے آیا۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- (۱) طلبہ کو افسانے کی بیت اور قصیٰ فکری انداز کے بارے میں بتائیے۔
- (۲) مذکورہ پیرا پڑھنے کے دوران طلبہ کی ضروری رہنمائی کرتے رہیے۔
- (۳) ناول اور افسانے میں فرق بتائیے۔



ڈاکٹر نبی بخش خان بلوج

ولادت: ۱۹۱۷ء وفات: ۲۰۱۱ء

ڈاکٹر نبی بخش خان بلوج سندھ کے ایک گاؤں جعفر خان لغاری ضلع سانگھڑ میں پیدا ہوئے۔ آپ ابھی چھٹے مہینے کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا۔ آپ کی تربیت والدہ اور پچانے کی۔ انھوں نے ایم اے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور ایجوکیشن میں کولمبیا یونیورسٹی سے پی اچ-ڈی کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے قیامِ پاکستان کے بعد علامہ آئی آئی قاضی کی سربراہی میں ”یونیورسٹی آف سندھ“ کی ترقی اور تعمیر میں اہم کردار ادا کیا۔ انھوں نے ”اردو سندھی لغت“، اور سندھی اردو لغت، ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کے ساتھ تیار کی۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی پر تحقیقی مجلے، سندھی موسیقی، سندھی ادب کی تاریخ اور لوک ادب پر کتابیں لکھی ہیں۔ وہ نہ صرف ”سندھی بلکہ انگریزی عربی، فارسی، سرائیکی اور اردو“ کے بھی ماہر تھے۔ سندھ کے اس عظیم فرزند کو، ان کی وصیت کے مطابق یونیورسٹی آف سندھ میں علامہ آئی آئی۔ قاضی کی قبر کے برابر دفن کیا گیا۔ موجودہ کہانی ”سینا بادشاہ“ آپ کی تحریر کردہ کتاب لوک کہانیاں سے لی گئی ہے۔



سیانا بادشاہ

ملکیت کا کوئی بھی حصہ میں نے چھوٹا بڑا نہیں کیا ہے۔ اس لیے تم میں سے ہر ایک، میرے رُوبہ رُواپنا اپنا پایا مقرر کرلو اور میرے مرنے کے بعد ان کے نیچ جو بھی گڑا ہوا ہو سوکھو دکال لینا۔“
لڑکوں نے باپ کی یہ بات منظور کر لی۔ پھر فرمادا زی کر کے ہر ایک نے اپنا اپنا پایا مقرر کر لیا۔

جب ساہو کار مر گیا تو چاروں بھائیوں نے کھاٹ کے اپنے اپنے پائے تسلی سے زین کھودی، دھن کی دیگ بانہ نکالی۔ دیکھتے کیا ہیں کہ ایک دیگ میں ہیرے جواہرات رکھے ہیں، دوسری سونے سے بھری ہے اور تیسرا چوتھی میں کچھ بھی نہیں! ایک میں صرف مٹھی بھر مٹی پڑی ہے اور دوسری میں دو چار سو کھلی ہڈیاں ہیں۔ جن لڑکوں کو ہیرے جواہرات اور سونے کی دیکیں ملیں، وہ تو بڑے خوش ہوئے۔ باقی دو لڑکوں کو جو مٹی اور ہڈیوں کی دیکیں ملیں وہ سخت ناراض ہوئے اور بھائیوں سے کہا: ”اس مٹی اور ہڈیوں کا ہم کیا کریں گے؟ ہم اصل ملکیت سے ضرور حصہ لیں گے۔“ اس پر پہلے دو بھائیوں نے کہا:

”بابا اپنے ہاتھوں سے ملکیت تقسیم کر گئے ہیں اور تم نے خود وہ ملکیت قبول کی تھی اور اپنی خوشی سے اپنے پائے مقرر کیے تھے۔ اب کیا ہو گا؟“

آخر ان کی تکرار برٹھنے لگی اور بات چار معتبر لوگوں تک پہنچی۔ لیکن وہ بھی کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے اور بولے: ”اس میں کوئی راز ہے، لہذا کسی دانا شخص سے انصاف کرو۔“ سبھی بھائی اس پر راضی ہو گئے اور کسی دانا شخص کو تلاش کرنے لگے۔ لیکن ایسا کوئی دانا شخص نہ ملا جو فیصلہ کر سکتا۔ تب وہ چاروں ساتھ ساتھ ملک کے بادشاہ کے

حاصلات تعلم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) ماورائی کرداروں کے بارے میں جان سکیں۔
(۲) لوک کہانی سے محفوظ ہو سکیں۔ (۳) افظی اشاروں اور تصویریوں کی مدد سے کہانی لکھ سکیں۔

ایک شخص تھا جس کے پاس بے شمار دھن دولت تھی۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ ایک بار وہ سخت بیمار ہوا۔ بہت علاج کرایا لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ جب بچنا محال دیکھا تو سوچا کہ میری جو بھی ملکیت ہے وہ ابھی اپنے لڑکوں میں تقسیم کردوں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرے مرنے کے بعد آپس میں لڑ کر جدا ہو جائیں۔ یہ سوچ کر اس نے چار دیکیں منگوائیں اور اپنی ملکیت کے حصے کیے۔ کچھ ایک میں، کچھ دوسری میں، اسی طرح چاروں دیگوں میں کچھ نہ کچھ ڈال کر چاروں دیکیں جدا جدا، اپنی کھاٹ کے چاروں پایوں تسلی گاڑ دیں۔

جب سکرات کا وقت آیا تو چاروں بیٹوں کو بلا کر کہا:

”بیٹا! دھن دولت ایسی شے ہے، جس کی وجہ سے ہمیشہ خون خراب ہوتا ہے۔ میں نے اپنی ساری ملکیت چار حصوں میں تقسیم کر دی ہے اور چاروں حصے الگ الگ اپنی چار پائی کے چار پایوں کے نیچے دن کر دیے ہیں۔ میرے لیے تم چاروں ہی آنکھوں کے تارے ہو۔ اپنی

پاس انصاف کے لیے گئے۔

بادشاہ ان کی بات سن کر پہلے تو سوچ میں پڑ گیا، لیکن پھر بھید کی تھی سُلھاتے ہوئے بولا:

”تمہارے باپ نے بالکل صحیح فیصلہ کیا ہے۔ ہیرے جواہر والا ہیرے جواہر لے اور سونے والا سونا لے، جسے مٹی کی دیگ ملی ہے، وہ باپ کی زمین سنبھالے اور جسے ہڈیاں ہاتھ آئی ہیں، وہ چوپائے مال کا مالک ہے۔“

بادشاہ کا یہ فیصلہ سن کر چاروں بھائی بہت خوش ہوئے اور اُس کی شکر گز اری کی۔ چاروں بھائی بادشاہ کی دانش اور دانائی کی تعریف کرنے لگے اور دعا میں دیتے اپنے گھر آپنے اور آپس میں پیار محبت سے رہنے لگے۔

(ماخوذ از: لوک کہانیاں: حصہ اول مترجم: ڈاکٹر سعد یوسف آراستا)



سوال: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) ساہوکار نے اپنے بیٹوں میں ملکیت کس طرح تقسیم کی؟

(ب) ساہوکار کے دو بیٹے کس بات پر ختن ناراض ہوئے؟

(ج) چاروں بھائی فیصلے کے لیے کس کے پاس گئے؟

(د) بادشاہ نے کیا فیصلہ کیا؟

(ه) اس کہانی سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

سوال ۲: درج ذیل خالی گھبیں پُر کیجیے:

(الف) ایک ساہوکار کے بیٹے تھے۔

(۱) تین (۲) چار (۳) پانچ (۴) پچھے

(ب) چار دیگریں پاپوں کے نیچے دفن ہیں۔

(ا) کھات کے (۲) چار پائی کے (۳) کری کے (۴) میز کے

(ج) ہر ایک نے کر کے اپنا اپنا پایا مقرر کر لیا۔

(۱) اتحاد (۲) جھگڑا (۳) قرعہ اندازی (۴) یکجہتی

(د) ایک میں صرف مُسْتَحْيی بھر پڑی ہے۔

(ا) ریت (۲) دال (۳) مٹی (۴) گندم

سوال ۳: ذیل کے کالم ”الف“ کو کالم ”ب“ سے ملا یے:

کالم ”ب“	کالم ”الف“
سونے سے بھری ہے۔	ساہوکار نے اپنی ملکیت
باپ کی زمین سنبھالے۔	دوسری دیگ
پیار محبت سے رہنے لگے۔	جسے مٹی کی دیگ ملی وہ
چوپائے مال کا مالک ہے۔	چاروں بھائی آپس میں
بیٹوں میں تقسیم کر دی۔	جسے ہڈیاں ملیں وہ

سوال ۴: دیے ہوئے لفظی اشاروں کی مدد سے واقعہ مکمل کیجیے:

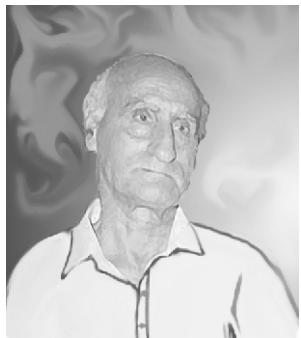
سبکنگین، غلام، شکار، ہرن کا پچھے، پیچھے دیکھنا، ہرنی، رحم، چھوڑنا، خواب، بزرگ، سلطنت، موت، انتخاب، تخت

سوال ۵: درج ذیل درست بیانات کے آگے (✓) کا نشان لگائیے:

- () ساہو کارنے سکرات کے عالم میں بیٹوں کو بلایا۔
- () ساہو کارنے ساری ملکیت دو دیگوں میں ڈالی۔
- () چاروں بیٹوں میں ملکیت برابر تقسیم ہوئی۔
- () بادشاہ نادان تھا۔
- () بات چار معتبر لوگوں تک پہنچی۔

میرزا ادیب

ولادت: ۱۹۱۶ء وفات: ۱۹۹۹ء



میرزا ادیب کا نام میرزا دلاور حسین علی، قلمی نام میرزا ادیب ہے۔ والد کا نام میرزا بشیر علی تھا۔ اسلامیہ کالج لاہور سے آپ نے بی۔ اے۔ آنرز کا امتحان پاس کیا۔ طالب علمی کے زمانے ہی سے آپ کو لکھنے لکھانے کا شوق تھا۔ اس لیے مختلف رسائل میں مضامین لکھئے۔ رسالہ ”ساقی“، میں افسانہ نگاری شروع کی۔ مشہور رسائل ”ادبی دنیا“ میں بھی آپ کے مضامین اور افسانے شائع ہوئے۔ آپ رسالہ ”ادب لطیف“ کے مدیر بھی رہے۔ اس دوران آپ ریڈیو کے لیے اسکرپٹ بھی لکھنے لگے۔ ایک ایکٹ کے ڈرامے لکھنے میں اخیں بڑی مہارت حاصل تھی۔ آپ کی شہرت کی ایک وجہ آپ کی کتاب ”صحرا نورد کے خطوط“ بھی ہے۔

”جنگل، کمبل، خاک نشیں، ناخن کا قرض، مٹی کا دیا، صحرا نورد کے رومان، آنسو اور ستارے، شیشه میرے سنگ، فن کار، خوابوں کے مسافر، ستون، لہو اور قالین اور پس پردا فصیل شب، شیشے کی دیوار اور ماموں جان“ آپ کی مشہور تخلیقات ہیں۔

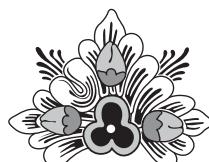
سرگرمیاں

- (۱) طلبہ کسی بھی اخبار یا رسائل سے لوک کہانی لے کر اپنی ڈائری میں چپاں کریں۔
- (۲) مختلف رسائلوں سے تصاویر وغیرہ کی مدد سے کہانی لکھیں۔

* لوک کہانیاں نظم میں بھی ہوتی ہیں اور نثر میں بھی، لوک کہانیاں عوام کے خیالات کی ترجمان ہوتی ہیں، تحریری شکل کی بجائے سینہ در سینہ و سری نسل تک پہنچتی ہیں۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- (۱) کہانی لکھنے اور کہانی سنانے میں بچوں کی مدد کیجیے۔
- (۲) لوک کہانی ڈرامائی انداز میں بچوں کو سنائیے۔



شہید

حاصلاتِ تعلّم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مکالمہ لکھ سکیں۔ (۲) نئے الفاظ پر اعراب لگا سکیں۔
 (۳) نئے الفاظ جملوں میں استعمال کر سکیں۔

زمانہ: ۶ ستمبر ۱۹۶۶ء

مقام: شہرِ صور کی ایک نواحی بستی

جائے وقوع: ایک دو منزلہ مکان کا نچلا کمرہ

وقت: شام

کردار: رضیہ (گیارہ بارہ سال کی ایک لڑکی)، ماں، باپ، شاداں اور ایک سایر۔

منظر: کمرے کو دیکھ کر یہ تاثر ہوتا ہے کہ ستمبر ۱۹۶۵ء کی بھارتی بم باری سے یہ مکان کافی حد تک متاثر ہو چکا ہے اور اب گھروالے بھی اس کی آرائش اور رکھار کھاؤ کی طرف توجہ نہیں دیتے۔ کمرے میں مختصر سامان ہے۔ وہ بھی کسی ترتیب سے نہیں رکھا گیا۔ ایک میز پر دو گل دان پھولوں سے یک سرخالی پڑے ہیں۔ چائے کی ٹرے میں دو تین خالی پیالیاں اور ایک پلیٹ پڑی ہے۔ دیوار پر جاوید کی ایک فٹ سے کچھ کم چوڑی تصویر کے رکنیں فریم پر ایک سنہری ہار پڑا ہے۔

رضیہ میز کے پاس ایک کرسی پر اس انداز سے بیٹھی ہے کہ اس کا منہ میز کے سرے پر جھکا ہوا ہے۔ بازو سے اس نے اپنے سر اور چہرے کو حلقتے میں لے رکھا ہے۔ اس کا

جسم مسلسل کانپ رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے سسکیاں بھر رہی ہے۔
 صحن سے ماں کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ چالیس کے گل بھگ عمر، اداں چہرہ،
 غم ناک آنکھیں۔ وہ بیٹی پر آنکھیں جمائے آگے بڑھتی ہے۔ اس کے پاس آ کر، جھک کر
 آہستہ سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیتی ہے۔ رضیہ کی کپکپا ہٹ اور بڑھ جاتی ہے۔
 ماں: رضیہ! نہ بیٹی نہ، رومت۔

رضیہ: امی۔ اممی

ماں: اُٹھ بیٹھو بیٹی، میری رانی اٹھو۔ (اس کے دائیں بازو پر ہاتھ رکھ دیتی ہے)
 اٹھ بیٹھو رضیہ! (رضیہ اٹھنے لگتی ہے۔ بہ دستور سسکیاں بھر رہی ہے۔
 آنکھیں سونج رہی ہیں۔ اٹھ کر، نظریں جھکائے کھڑی ہو جاتی ہے)
 ماں شفقت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہے۔ رضیہ لمبھ بھر کے لیے ماں کو دیکھتی
 ہے، پھر اپنا چہرہ دونوں ہاتھوں سے ڈھانپ کر، روتنی ہوئی ماں سے لپٹ جاتی ہے۔
 ماں: بیٹی! بس اب چپ ہو جا۔ (رضیہ باہر جانے لگتی ہے۔ ماں غم گین نگاہوں سے
 اسے دیکھتی رہتی ہے)
 اتنے میں باپ صحن کے دروازے سے اندر آتا ہے۔ ادھیر عمر کا آدمی آنکھوں پر
 عینک، ہاتھ میں چھڑی، گرتے پاجامے اور واسکٹ میں ملبوس، چہرہ افسردہ مگر افسردگی
 پر قابو پائے ہوئے۔

باپ: فاطمہ!

ماں: (ٹرے وہیں رکھ دیتی ہے۔ شوہر کی طرف دیکھتی ہے) آپ کہاں چلے گئے
 تھے؟

باپ: کہیں نہیں، یہیں تھا۔ رضیہ کہاں ہے؟

ماں: میں اندر آئی تو میز پر سر کھر دوڑی تھی۔

باپ: بچی ہے نا، صبر آتے آتے گا۔

ماں: اور آج کے دن تو زخم تازہ ہو گئے ہیں ہم سب کے۔

باپ: (تصویر کی طرف دیکھ کر) یہ ہارکس نے ڈالا ہے؟ (آگے بڑھ کر چھڑی رکھ دیتا ہے اور تصویر کو قریب سے دیکھنے لگتا ہے۔)

ماں: رضیہ نے۔ بھائی کے گلے میں تو نہ ڈال سکی۔ اس کی تصویر..... (فقرہ پورا نہیں کر پاتی۔ دوپٹے کے بلپوسے آنسو پوچھنے لگتی ہے)

باپ: یہ سعادت دنیا میں بہت خوش قسمت کے حصے میں آتی ہے۔ شہادت کو تم کیا سمجھتی ہو؟ وطن کی خاطر جان دے دینا، یہ شرف ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتا ہے!

ماں: تصویر اٹھا کر کہیں چھپانے دوں اسے۔ (تصویر اٹھانے لگتی ہے کہ رضیہ کمرے میں داخل ہوتی ہے۔ ماں شوہر کی طرف دیکھتی ہے جو اشارے سے تصویر کو وہیں رہنے دینے کے لیے کہتا ہے)

رضیہ آگے بڑھتی ہے اور تصویر پر ہار کوتر تیب دے کر اسے درست کرتی ہے۔

ماں اور باپ دم بخودا سے دیکھتے رہتے ہیں۔

باپ: تم نے پرسوں کہا تھا، ٹافیاں لیتا آؤں۔ چلو، جو تمھیں اچھی لگیں، لے لینا۔ رضیہ کچھ سوچ کر قدم اٹھاتی ہے اور باپ بیٹی دونوں دروازے سے نکل جاتے ہیں۔

ماں پھر تصویر کو دیکھنے لگتی ہے۔ بے اختیار اس کے منہ سے نکلتا ہے ”اُف میرے اللہ“! (صحن کے دروازہ سے شاداں کی آواز آتی ہے۔) رضیہ ارضیہ!

ماں مُڑ کر دیکھتی ہے اور کہتی ہے: ”آ جاؤ شاداں، میں یہاں ہوں۔“

شاداں، ماں کی ہم عمر، بنستی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ مگر فالٹہ اور تصویر پر نظر پڑتی ہے، وہ بھی اداں ہو جاتی ہے۔

شاداں: ”کیا بات ہے بہن، آج دن بھراو پر نہیں آئیں۔ میں تو سمجھتی تھی آج تم لوگ گھر پر نہیں ہو۔ اتنی خاموشی تھی تمھارے ہاں۔“

ماں: ہم تو کہیں نہیں گئے، گھر ہی میں رہے سارا دن۔

شاداں: کوئی آواز ہی نہیں تھی، نہ تمھاری نہ رضیہ کی۔

ماں: کیا بتاؤں بہن!

شاداں: خیر تو ہے! کیا بات تھی؟

ماں: آج جاوید کی چوبیسویں سال گرہ ہوئی۔

شاداں: ۲۴ بتبر کو؟

ماں: یہی اس کے پیدا ہونے کا دن ہے اور اسی دن... (شدّتِ احساس سے خاموش ہو جاتی ہے)

یہی دن تھا اور وہ چھٹی پر آیا ہوا تھا۔ صبح سے گھر میں رونق تھی۔ میری رضیہ نے گھر میں رنگارنگ جھنڈیاں لگائی تھیں۔ سب عزیز، ہم سائے، اس کے دوست جمع ہوئے تھے۔ اتنی چھل پہل اور ہنگامہ تھا کہ شادی کا سامان لگتا تھا۔ رضیہ کو بھائی کی سالگرہ منانے کا بہت شوق تھا۔ دوست احباب جاوید کو

رضیہ: معلوم ہے آج کون سادن ہے؟
 جاوید: ۶ ستمبر! میری سالگرہ کا دن۔
 جاوید: تم دیکھنیں رہیں مجھے۔
 رضیہ: ہائے، ہمیں آپ کا کتنا انتظار تھا۔
 جاوید: وہ ہماریں اب بھی دیکھ رہا ہوں۔
 رضیہ: دیکھ رہے ہیں نا! اپنی تصویر کے گرد۔
 جاوید: ہاں۔
 رضیہ: میری کتنی آرزو تھی کہ یہ ہمارا آپ کے گلے میں ڈالوں.....
 مگر آپ چلے گئے۔
 جاوید: اسی لیے تو آیا ہوں۔
 رضیہ: کس لیے؟
 جاوید: وہ ہمارم اب بھی میرے گلے میں ڈال سکتی ہو۔
 رضیہ: اچھا؟
 جاوید: کیوں نہیں!
 رضیہ: تو اتاروں ہار؟ (ہارفضا میں لہراتا ہے)
 رضیہ: اوہ بھائی جان!
 جاوید: اب تو خوش ہونا؟
 رضیہ: پسند ہے یہ ہمارا آپ کو؟
 جاوید: میری بہن کا ہار مجھے پسند کیوں نہ ہوگا۔ یہ ہار تو شفق اور قوس قزح کو گوندھ کر

تھے دے رہے تھے۔ رضیہ نے خود پیسے جمع کر کے جو ہار خریدا تھا، وہ الماری میں سے نکال کر خوشی خوشی بھائی کی طرف لیے چلی آ رہی تھی۔
 (ماں رُک گئی) دروازے پر دستک ہوئی۔ جاوید کو ڈیوٹی پر حاضر ہونے کا حکم ملا تھا۔ وہ حکم ملتے ہی جانے لگا۔ ہم نے روکا تو کہنے لگا: ”ماں! وطن نے مجھے پکارا ہے۔
 اب میں کسی اور کام کے لینے ہیں رُک سکتا۔“
 شاداں: اُسی وقت چلا گیا؟
 ماں: اُسی لمحے۔ بہن کہتی رہ گئی: ”بھائی جان! گلے میں ہار ڈالو والو“۔ مگر بولا: ”واپس آ کر ہی ہار گلے میں ڈالوں گا رضیہ“۔ اور چلا گیا۔ (روشنی مدھم ہو چکی ہے۔
 صحن کے دروازے سے ایک سایہ بڑھتا دکھائی دیتا ہے۔ یکا یک رضیہ کی آوازا بھرتی ہے)
 رضیہ: بھائی جان، آپ!
 جاوید: رضیہ!
 رضیہ: بھائی جان! آپ کہاں تھے؟ کہاں تھے آپ؟
 جاوید: یہاں، وہاں، ہر جگہ، ہر مقام پر، کہاں نہیں تھا میں۔
 رضیہ: آپ تو میدانِ جنگ سے لوٹے ہی نہیں تھے۔ ابًا جان کہتے تھے انھوں نے آپ کا لہو بھرا جسم دیکھا تھا۔ اور بھائی جان! آپ بھائی جان ہیں نا؟
 جاوید: تم دیکھنیں رہیں مجھے؟
 رضیہ: ہائے! ہمیں آپ کا کتنا انتظار تھا۔
 جاوید: مجھے معلوم تھا میری پیاری بہن میرا انتظار کر رہی ہو گی۔

بنایا گیا ہے۔ کتنا پیارا، کتنا خوب صورت ہے یہ ہاڑ!

رضیہ: مگر بھائی جان! آپ دروازے کی طرف کیوں دیکھ رہے ہیں؟

جاوید: مجھے جانا ہے رضیہ!

رضیہ: نہیں بھائی جان!

جاوید: دیکھو! میں نے تمہاری خواہش پوری کر دی، اب مجھے جانا ہے۔

رضیہ: کیوں جانا ہے آپ کو؟

جاوید: مجھے جانا ہے۔ جانا کہاں ہے؟ میں یہیں رہوں گا، تمہارے آس پاس۔ صبح کی روشنی میں، دو بھر کی دھوپ میں، رات کے اندر ہیوں میں، ہر وقت تمہارے قریب۔ تم مجھے نہیں دیکھ سکتیں مگر میں تمھیں دیکھا کرتا ہوں۔

(سایہ پیچھے ہٹنے لگتا ہے، پیچھے ہوتا جاتا ہے)

رضیہ کی ”بھائی جان! بھائی جان!“ کہتی آواز بڑھنے لگتی ہے۔

(باپ کمرے میں داخل ہوتا ہے۔)

باپ: کیا ہوا رضیہ! کیا ہوا بیٹی!

رضیہ: بھائی جان ابھی یہیں تھے، یہیں تھے۔ میں نے ان کے گلے میں ہارڈ الٹھا۔

باپ: بیٹی جانے والے کب لوٹ کر آتے ہیں!

ماں اور شاداں بھی کمرے میں داخل ہوتی ہیں۔ حیرت سے شاداں پوچھتی ہے: ”کیا معاملہ ہے؟“

باپ: کہتی ہے ابھی بھائی جان آئے تھے۔ میں نے ان کے گلے میں ہارڈ الٹا ہے۔

شاداں: ہار تو وہ پڑا ہے بچی! شاداں آگے بڑھ کر ہاراٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔

چیخ مار کر ہاتھ ہٹالیتی ہے۔ سب یک دم کہتے ہیں: ”کیا ہوا؟“

شاداں: لہو، لہو، ہار پر لہو۔ چیخ لہو!

(ماخوذ از: مٹی کا دیا)



مشق



سوال ۱: درج ذیل سوالات کے جواب دیجیے:

(الف) جاوید شہید کا تعلق کس شہر سے تھا؟

(ب) جاوید کے مکان کی حالت کس وجہ سے خراب تھی؟

(ج) رضیہ کیوں رورہی تھی؟

(د) سالگرد کے موقع پر جاوید کیا حکم ملا تھا؟

(ه) رضیہ کے والد نے فاطمہ کو تسلی دینے کے لیے کیا جملہ ادا کیے؟

(و) رضیہ نے ساید دیکھ کر کس کا نام لیا؟

(ز) شاداں نے ہار کو اٹھایا تو چیخ کر کیا بولی؟

سوال ۲: درج ذیل الفاظ کے بھلنے بنائیے:

آرایش۔ گپکا پاہٹ۔ سعادت۔ جائے تو قوع۔ مدھم۔ شفق۔ دم بخود۔ رکھ رکھا۔

سوال ۳: جاوید شہید کا واقعہ اپنے الفاظ میں تحریر کیجیے۔

سوال ۴: حب وطن کے موضوع پر مکالمہ تحریر کیجیے۔

سوال ۵: میرزا دیوب نے اس ڈرامے میں کیا پیغام دیا ہے؟

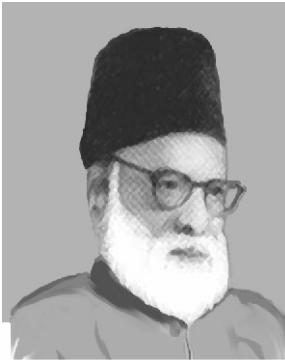
سوال ۶: درج ذیل الفاظ پر اعراب لگائیے:

لہو۔ غم گین۔ افرادہ۔ اختیار۔ مقام

- (۱) یومِ دفاع کے موقع پر شہیدان وطن کے موضوع پر تین سے چار منٹ تک کی تقریر کریں۔
 (۲) نشانِ حیر پانے والے شہدا کی تصاویر کا چارٹ بنائیے۔ اگر آپ نے اس سبق سے ملتا جلتا کوئی واقعہ سنایا پڑھا ہو تو بیان کریں۔

مولوی عبدالحق

ولادت: ۱۹۶۱ء وفات: ۱۸۷۰ء



مولوی عبدالحق ضلع میرٹھ (ہندوستان) کے قصبے ہاپڑ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم پہلے فیروز پور اور پھر علی گڑھ میں حاصل کی۔ علی گڑھ ہی سے بی۔ اے کیا۔ علمی خدمات کے صلے میں الل آباد یونیورسٹی اور علی گڑھ یونیورسٹی سے ڈی۔ لیٹ کی اعزازی ڈگریاں ملیں۔ آپ کچھ عرصہ حیدر آباد کدن میں بھی رہے اور تعلیم کے ساتھ اردو کے لیے مختلف خدمات انجام دیں۔ انہیں ترقی اردو کے سیکریٹری مقرر ہوئے۔ پھر دہلی میں بھی اسی عہدے پر فائز رہ کر کام کیا۔ تقسم ہند کے بعد کراچی منتقل ہو گئے۔ یہاں آ کر انہیں ترقی اردو کی بنیاد رکھی۔ پہلے اس کے سیکریٹری اور بعد میں صدر بنے۔ انتقال کے وقت تک صدر کے عہدے پر خدمات سرانجام دیتے رہے۔ آپ کی آخری آرام گاہ اردو کالج کراچی میں ہے۔ مولوی صاحب کی اردو کے لیے خدمات کے صلے میں قوم نے آپ کو ”باباۓ اردو“ کا لقب دیا۔ ”لغت، قواعد، تحقیق، تدوین اور تبصرے“ کے حوالے سے اُن کی متعدد کتابیں جھپچکلی ہیں۔ شخصیت نگاری پر ”چند ہم عصر“ اُن کی مشہور تصنیف ہے۔ اسی تصنیف سے یہ خاکہ لیا گیا ہے۔

* ڈرامائونی لفظ ”ڈراؤ“ (Drao) سے مشتق ہے جس کے معنی ”عمل یا اداکاری“ یادوسرے لفظوں میں کچھ کر کے دکھانا ہے۔ ڈراما ایک کہانی ہے جو اداکاروں کے ذریعے ناظرین کے سامنے اٹھ پڑیں کی جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ڈراما ایک نقاشی ہے جو حرکت اور تقریر کے وسیلے سے کی جاتی ہے۔

ہدایات برائے اساتذہ:

- (۱) طلبہ کے لگائے گئے اعراب اچھی طرح سے چیک کیجیے اور غلطیوں کی اصلاح کیجیے۔
 (۲) طلبہ کو ڈرامے کے بارے میں تفصیل بتائیے۔
 (۳) بچوں سے بنائے ہوئے جملوں کی اصلاح کیجیے۔



نام دیو--مای

حاصلات تعلم: یہ سبق پڑھ کر طلبہ: (۱) مختلف اصناف نثر میں امتیاز کر سکیں۔ (۲) اشاروں کی مدد سے کہانی لکھ سکیں۔ (۳) کسی بھی موضوع پر درست لب و لبھے اور تنفیض سے ۳-۴ منٹ تک تقریر کر سکیں۔ (۴) خاک زگاری کے بارے میں جان سکیں۔

نام دیو مقبرہ رابعہ دورانی، اور نگ آباد (حیدر آباد دکن) کے باعث میں مالی تھا۔ مقبرے کا باعث میری نگرانی میں تھا۔ میرے رہنے کا مکان بھی باعث کے احاطے ہی میں تھا۔ میں نے اپنے بنگلے کے ساتھ چمن بنانے کا کام، نام دیو کے سپرد کیا۔ میں اندر کمرے میں کام کرتا رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے بڑی سی کھڑکی تھی۔ اس میں سے چمن صاف نظر آتا تھا۔ لکھتے لکھتے کبھی نظر اٹھا کر دیکھتا تو نام دیو کو اپنے کام میں مصروف پاتا۔ بعض دفعہ اس کی حرکتیں دیکھ کر بہت تعجب ہوتا۔ مثلاً: کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا، پانی ڈال کر ڈول درست کی اور ہر رُخ سے پودے کو مُڑ مُڑ کر دیکھا۔ پھر اُٹھے پاؤں پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا اور خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت بھی ہوتی اور خوشی بھی۔

اب مجھے اس سے دل چھپی ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بعض وقت اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھا کرتا مگر اسے کچھ خبر نہ ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگر رہتا۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ اپنے پودوں اور پیڑوں ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی

طرح ان کی پرورش کرتا۔ ان کو سبز اور شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا جیسے ماں اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا اور ایسا معلوم ہوتا گویا ان سے چھپے چھپے باتیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے اور پھولتے پھلتے، اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا۔ ان کو توانا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی۔ کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا لگ جاتا تو اسے بڑی فکر ہوتی۔ بازار سے دوا میں لاتا اور اس پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہم درد اور نیک دل ڈاکٹرا پنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اسے بچالیتا اور جب تک وہ تن درست نہ ہو جاتا اسے چھین نہ آتا۔

بانغوں میں رہتے رہتے اسے جڑی بُوٹیوں کی بھی شناخت ہو گئی تھی۔ خاص کر بچوں کے علاج میں اسے بڑی مہارت تھی۔ وہ خود بھی صاف سترارہتا تھا اور ایسا ہی اپنے چجن کو بھی رکھتا۔ کیا مجال جو کہیں گھاس پھونس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ غرض سارے چجن کو آئینہ بنارکھا تھا۔

بانگ کے داروغہ (عبدالریم خان) خود بھی بڑے کارگزار اور مستعد شخص ہیں اور دوسروں سے بھی کھینچ تان کر کام لیتے ہیں۔ اکثر مالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ ذرا بھی نگرانی میں ڈھیل ہوئی، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا سائے میں جائیٹے۔ لیکن نام دیو کو بھی کچھ کہنے سننے کی نوبت نہ آئی۔ وہ اپنے کام میں لگا رہتا۔ نہ ستائیش کی تمنانہ صلے کی پروا۔

ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔ کنوؤں میں پانی برائے نام رہ گیا۔ بانگ پر آفت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے پودے اور پیڑ تلف ہو گئے۔ جو بچ رہے وہ مر جھائے ہوئے

تھے۔ لیکن نام دیو کا چجن ہر ابھر اتحا اور وہ دور دور سے ایک ایک گھٹا پانی کا سر پر اٹھا کے لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ جب پانی کی قلل اور بڑھی تو اس نے راتوں کو بھی پانی ڈھوڈھو کر لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا، یوں سمجھیں کہ آدھا پانی اور آدمی کچھڑ ہوتی تھی لیکن بھی گدلا پانی پودوں کے حق میں آب حیات تھا۔

میں نے اس بے مثل کارگزاری پر اسے انعام دینا چاہا۔ اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا کہناٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کے پالنے پونے میں کوئی انعام کا مُستحق نہیں ہوتا۔

جب اعلیٰ حضرت حضور نظام کو اور نگ آباد کی خوش گوار آب وہا میں باغ لگانے کا خیال ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سید سراج الحسن (نواب سراج یار جنگ بہادر) ناظم تعلیمات کو تفویض ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ذوقِ باغ بانی مشہور تھا۔ مقبرہ رابعہ دورانی اور اس کا باغ جو اپنی ترتیب و تعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باغ کا بہترین نمونہ ہے، مددت سے ویران اور سُنسان پڑا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب کی بد دلت سر سبز، شاداب اور آباد نظر آتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کو آدمی پڑھنے میں بھی کمال تھا۔ وہ نام دیو کے بڑے قدر دان تھے۔ اسے مقبرے سے شاہی باغ میں لے گئے۔ کئی کئی نگران کار اور بیسیوں مالی ڈاکٹر صاحب کے شاہی باغ کو حقیقت میں شاہی باغ بنانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی نام دیو کا وہی رنگ تھا۔ اس نے نہ فتن باغ بانی کی کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ ہی اس کے پاس کوئی سند یا ڈپلوما تھا۔ البتہ کام کی دُصْن تھی۔ کام سے سچا لگاؤ تھا اور اسی میں اس کی جیت تھی۔ بس یہ تھا اور اس کا کام۔

ایک دن نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی یوڑش ہوئی۔ سب مالی بھاگ